سخا دہلوی کی فارسی غزل پر ایک نظر

View of the Persian Ghazals of Sakha Dehlvi

ڈاکٹر محمد شاہ کھگہ، اسسٹنٹ پروفیسر، جی سی ماڈل ٹاون لاہور

Dr. Shah Muhammad Khaga, Assistant Professor, G-C Model town, Lahore

Abstract

Syed Nazeer Hassan Sakha Delhvi was an Urdu and Persian ghazal, writer cast in the classical mould of the Daagh school of urdu poetry,and a much respected literary critic.He was a disciple of Hafiz Shirazi who was a disciple of Mirza Khan Daagh Delhvi . He wrote romantic and sensuous ghazals in simple, minimizing usage of pessian words.He laid great emphasis on the persian idoms and its usage,He was a respected poet in his own day and was considered the best romantic poet.

Key words: Sakha Dehlvi, Ghazal, Literature, Persian, Mysticism

کلیدی الفاظ: سخا دہلوی، غزل، ادب، فارسی، تصوف

سیّد نظیر حسن اور تخلص سخاؔ تھا، علّامہ سیّد غضنفر علی خان غضنفرؔ کے بڑے بیٹے اور شمس العلماء قلزمِ علوم مولوی سیّد نجف علی خاں نجفؔ کے پوتے تھے۔ اپنے ملک میں مجتہد الشعراء اور آزاد کے القابات سے یاد کیے جاتے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسبت تنتالیس ۴۳ واسطوں سے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ ابتدائی تعلیم کچھ اپنے والد گرامی علّامہ سیّد غضنفر علی خاں اور اپنے جد مغفور شمس العلماء قلزم علوم مولوی سیّد نجف علی خاں سے حاصل کی۔ رسمی علوم اور مختلف السنہ کے علاوہ طبِ یونانی پڑھی، ڈاکٹری کا خود مطالعہ، ہومیو پیتھی، کرمو پیتھی، ہیڈرو پیتھی کا برسوں مطب کیا، اور مختلف فنون مثلاً فوٹو گرامی، ربڑ اسٹامپ سازی، دندان سازی، ملمع سازی، آتشبازی اور شعبدہ بازی جیسے بہت سے ہنر سیکھے۔ تمام عمر وعظ و مناظرہ میں گزری، درسی علوم کے علاوہ مطالعہ کتب کا بہت شوق تھا۔ قدیم و جدید علوم کی سینکڑوں کتب نظر سے گزریں۔ کتب جمع کرنے کا شوق

تھا۔ ہمیشہ مقامی انجمنوں کی بلا معاوضہ خدمت اور شرکت میں انہماک رہا۔ تقریباً چار سال یونیورسٹیوں کے تحت بی،اے تک فارسی پڑھائی، وکالت اور قانون کی بھی بھی تعلیم حاصل کی ،چند زبانیں بھی بقدر ضرورت سیکھیں۔ جدید سائنس اور دیگر علوم بھی سیکھے۔ صنعت و حرفت اور فنونِ لطیفہ کے اکثر شعبوں میں عمل دخل رہا۔ بڑے بڑے تمام مشہور مذاہب دیکھے۔ وسعتِ نظر کا یہ عالم تھا کہ ہر مکتبِ فکر اور غیر مذاہب کے عبادت خانوں میں بڑی فراخ دلی سے شرکت کرتے تھے کیونکہ آپ نے تقابلِ ادیان کو بہ دقتِ نظر پڑھاہ وا تھا۔

شاعری میں فصیح الملک حضرت داغ دہلوی کے شاگرد تھے، ان کی شاعری میں جو یہ تک بندی اور وقوع گوئی ہے، انہی کا فیض ہے۔ ان کے کلام میں داغ کا رنگِ تغزل بہ لحاظ سلاستِ زبان و روانی پایا جاتا ہے اور کہیں کہیں لطافت اور مضمون آفرینی بھی پائی جاتی ہے۔ آپ کا کلام ،دلی کی ٹکسالی زبان کا اعلیٰ نمونہ ہے ،غزلیاتمیں داغ کا پر تو نظر آتا ہے۔ روزمرہ، روانی اور صفائی بھی ہے مگر پُر گوئی کے سبب کیفیت منقود ہے۔

مختصر یہ کہ داغ دہلوی کے بہترین مقلد تھے، شعر بہت بامزہ، صاف اور شوخ کہتے تھے۔ زبانمیں ایک عجیب لوچ اور شرینی ہے یعنی اسلوب بیان میںلطافت اور دلکشی ہے:

شیخ لے بوسہ پہ بوسہ اس رُخِپُر نور کا
یاد رکھ دھوکا ہی دھوکا ہے وصال حُور کا
قبر میں بھی اب نہیں کھٹکا شبِدیجور کا
ساتھ جائے گا تصور عارض پُر نور کا(۱)

اسی طرح یہ بھی ملاحظہ ہو ،رنگِ تغزل سخاؔ:

چراغ ہستی مرا ہوا گل بچانا چاہو توبے تأمل
سنگھا دو آکر عبیر کا کل چھڑک دو لا کر گلاب عارض
ملاوں کیوں لب کسی کے لب سے بڑھاؤں کیوں ارتباط سب کا
بہت ہی رکھا کرو ادب سے چھپا کے ام الکتاب عارض(۲)

حضرت مولانا سخا دہلوی خود اپنی کتاب محبوب الشعراء میں غزل کی عمدگی اور خوبی کے بارے میں فرماتے ہیں:

ـ"اصل یہ ہے کہ معاملہ، ادابندی و قوع گوی، روزمرہ کی سلاست، کلام کی صفایٔ، مطالب کی آسانی، مضامین کی شوخی غزل کی جان ہیں۔ لیکن اگر کمال سخن اور معراج شاعری بھی اسی کو سمجھتے ہو تو یہ غلط ہے"۔(۳)

مولانا سخاؔ دہلوی عربی و فارسی اور اردوادبیات کے بڑے جید عالم، قادرالکلام عروضی شاعر بہترین انشاء پرداز اور مشہورِ زمانہ مبلغ اسلام بزرگ تھے۔ سلاستِ زبان ان کے یہاں بدرجۂ اتم ہے لیکن مضامین میں تازگی نہیں پائی جاتی اور اس کی شاید وجہ حساسیت اور زندگی کے حادثات کہے جاسکتے ہیں:

جاں بہ لب میں نیم بسمل حسرتیں　　آج سب پر خاک ڈالی جائے گی
یہ طبیعت ہے رہے اس کا خیال　　کیا گھڑی ہے جو ملالی جائے گی
مر کے بھی ہو گی سخاؔ مٹی عزیز　　خاک پر پھر خاک ڈالی جائے گی(٤)

یعنی تسلیۂ جاں اور اطمینانِ قلبی کے لیے فرماتے ہیں:

عشق میں جو تلخیاں پیش آئیں شرینی سمجھ
یعنی یہ بدمزگیاں بھی ہیں مزا تیرے لیے
صفحہ ہستی سے نقش نیتی معدوم کر
یہ فنا وہ ہے کہ جس میں ہے بقا تیرے لیے(٥)

شاعری تو ایک داخلی چیز ہے لیکن مشاعروں نے اسے علمِ مجلسی بنادیا، اس لیے اس میں خارجی خصوصیتیں زیادہ ہوتی گئیں، ہنگامے، تفریح، سقف شکن نعرے شعراء کے مقصود بن گئے۔ مشاعروں کے رواج کی بدولت رفتہ رفتہ دہلی اوت لکھنؤ دونوں جگہ شکوہِ الفاظ، بندش کی چستی، محاورے، روز مرّے اور قادر الکلامی کے زعم کے ساتھ ساتھ سنگلاخ زمینوں کا رواج ہو گیا تھا۔ زبان کا جہاں تک تعلق ہے ان بزرگوں نے اس میں مزید اصلاح اور درستی کی، یعنی جو ناموس الفاظ باقی رہ گئے تھے ان کو متروک قرار دیا اور فارسی ترکیبوں کے ساتھ دہلی کے روز مرّے اور محاوروں کو اس طرح سمویا کہ خوش نمائی اور شیرینی پیدا کردی۔ ناموس الفاظ کو ترک کرنے کا کام زیادہ تر تو ناسخ نے کیا لیکن لکھنؤ میں فارسی ترکیبیں اتنی نہیں برتی گئیں جتنا کہ فارسی اور عربی الفاظ کا استعمال کیا گیا لیکن اردو کے محاورے اور روز مرّے کے ساتھ سمونے کا سلیقہ وہاں ایسا خوش نما اور شگفتہ نہ تھا جیسا کہ دہلی میں برتا گیا۔
فارسی کی ترکیبیں مومنؔ غالب اور ان کے شاگردوں کے یہاں عام ہیں ؛

اردو میں دلی سے لے کر انشاءؔ اور مصحفیؔ تک عموماً سب کی غزل میں صفائی، سادگی ،روز مرّے کی پابندی، بیان میں گھلاوٹ اور زبان میں لچک پائی جاتی ہے ان کے بعد دلی میں ممنون، غالب، مومن اور شیفتہ وغیرہ کے یہاں فارسی ترکیبوں نے اردو غزل میں بلاشک زیادہ دخل پایا۔ مگر یہ لوگ بھی اعلا درجے کے شعر اسی کو سمجھتے تھے جس میں پاکیزہ اور بلند خیال ٹھیٹ اردو محاورے میں ادا ہو جاتا ہے۔ ان لوگوں کا یہ خیال تھا کہ غزل میں اعلیٰ درجے کا شعر ایک یا دو سے زیادہ نہیں نکل سکتا باقی بھرتی ہو تی ہے۔(٦)

اردو زبان میں طبع آزمائی کرنے والا شاعر جب فارسی میں غزل پر طبع آزماتا ہے تو ایسے نکتے نکالتا ہے کہ قاری دنگ رہ جاتا ہے ،وہ شاعر کون ہے؟ کیا نام ہے؟ تو پتا چلتا ہے کہ اس کا نام سیّد نظیر حسن سخاؔ ہے جو بہ یک وقت مولانا بھی ہے، مقرر شعلہ بیاں بھی ہے اور آلِ نبیؐ، اولادِ علیؑ بھی ہے۔ اردو غزل میں داغ دہلوی کا سا رنگ لیے ہوئے ہے اور فارسی غزل پڑھ کر اساتذۂ سخن کا سالب و لہجہ محسوس ہوتا ہے۔ مولانا سخاؔ نہایت ہی محقق اور بے تعصب عالم دین تھے۔ عمر بھر مخالفین اسلام سے مناظرے کرتے رہے اور بفضلہ ہر مناظرہ میں اسلام کا علم بلند رکھا۔ فارسی غزل کا نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

ہزار گونہ شکایت ز آسماں دارم
مگر فغاں کہ صد افسانہ یک زباں دارم
خیال ابرو و مژگاں گل رخاں دارم
ہزار شکر خدنگ افگن و کماں دارم

حضرتِ مولانا سخاؔ کی شاعری میں حضرت استاد داغ دہلوی کا رنگ باقی ہے، اس کے اردو اور فارسی شعر میں استاد داغ کی جھلک ملتی ہے۔ جیسے کہ استاد داغ میں حضرتِ ذوق کی شاگردی کا اثر باقی ہے۔ یعنی لفظ، محاورے روز مرّے کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتے لیکن ان کی شاعری کا مدار بیتی ہوئی معاملہ بندی پر ہے ،اس لیے اس میں معنوی چمک دمک بھی پیدا ہو جاتی ہے اور اسی لیے یہ ظاہری صنعت گریاتنی گراں نہیں گزرتی جتنی لکھنؤ اسکول کے شعرائے متقدمین کی خالی خولی لفّاظی ،معاملہ بندی کے لیے روزمرہ اور محاورے کا التزام بہتضروری ہے لیکن داغ بیش تر محاورے اور روز مرّہ کے لیے شاعری کرتے تھے ،داغ کے یہاں ایسی مثالیں کم ہیں۔ سخا دہلوی کی فارسی شاعری پر کہاں تک اثر انداز ہوئے اس کا اندازہ ہمیں پڑھ کر ہو گا؛ اس کی نمونے کے طور پر دو ایک غزلیں قارئین کی نظر کرتا ہوں اور فیصلہ بھی قارئین ہی پر چھوڑوں گا:

ہزار گونہ شکایت ز آسماں دارم   مگر فغاں کہ صد افسانہ یک زباں دارم

خیال ابرو و مژگاں گل رخام دارم　　　ہزار شکر خد نگ افگن و کماں دارم
نہ خوفِ دزد، نہ پروای پاسباں دارم　　　کہ نی چنیں نہ چنانم نہ ایں نہ آں دارم
خضر کدام و سکندر کجا و کو ظلمات　　　بہ زلف سلسلئ عمر جاوداں دارم
برش ریاض و قدش طوبی و دلش کوثر　　　ہزار شکر کہ فردوس در مکاں دارم
فلک بہ کین و خزاں در مکین و برقِ تپاں　　　بہ گلبنی نتوانم کہ آشیاں دارم
از آن چہ ملتمس ماست سر گراں داری　　　ہر آن چہ مرضیئِ مولاست دل بزاں دارم
فدای روی کتابی شدم چرا نشوم　　　ولای مصحفِ ناطق سخآبہ جاں دارم(۸)

دوسری غزل کے بھی چند اشعار ملاحظہ ہوں:

چو از می رود ہشیار در کوی تو می آید
چو بی قابو شود عاشق آ قابوی تو می آید
نہ تنہا گل بہ سیر گلشن روی تو می آید
گلستان خود بہ یک ایمای ابروی تو می آید
نہ دل کاہی نہ گیسو کہ باطرفہ تماشا کن
ز ہر سو مرغِ دل در دام گیسوی تو می آید
معاذاللہ اگر عشاق را پروای جاں باشد
فقط ما را خیال دست و بازوی تو می آید
بہ فرہنگ سخآ معنی بی ہوشی ست ہشیاری
چو غش طاری شود بالش ز زانوی تو می آید(۹)

دیئے گئے درج بالا فارسی غزلیہ اشعار کا مختصر مفہوم کچھ اس طرح ہے:

تجھے ہزاروں شکائیتیں آسمان سے ہیں، آہ وفغاں ہے اور سینکڑوں افسانے میری زباں پر ہیں مجھے پھول جیسے گالوں والے محبوب کی پلکوں اور ابرؤوں کا خیال رہتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ میرے پاس تیر اور کماں ہے اس لیے مجھے اب کسی چور ڈاکو کا کوئی ڈر اور خوف نہیں ہے وغیرہ(۱۰)

جہاں شوخی اور زندہ دلی کے سبب معاملہ بندی ان کے یہاں جز واعظم ہے ،اسی طرح ہجر و غم اور بے چینی کے بھی وہی طور پائے جاتے ہیں جو عشق کے

کوچے میں قدم رکھنے والوں کو پیش آتے ہیں۔ سخا دہلوی کی فصاحت اور سادگی پر ایک شوخی اور بانکپن کا انداز ایسا بڑھایا جس سے پسندِ عام نے شہرتِ دوام کا فرمان دیا۔ عوام میں ان کے اسلوب کی دھوم مچ گئی اور خواص حیران رہ گئے۔

"یہاں اس حقیقت کے اظہار سے خاصا دکھ ہوتا ہے کہ مولانا سخاؔ دہلوی کے انتقال کے بعد اُن کی بیش بہا علمی، ادبی اور مذہبی خدمات کی یاد تازہ رکھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ انتقال کے بعد مرحوم کی لاش کیا دفن کی گئی کہ اس کے ساتھ ان کی زندگی کی ساری کمائی بھی زیرِ زمین دب کر رہ گئی"۔

بدین فرطِ نزاکت قتلِ عالم حیرتی دارد
تعجب بر کمال دست و بازوی تو می آید (۱۱)

حوالہ جات و حواشی

۱ سخا دہلوی، مولانا، کلیات مولانا سخا دہلوی، (راولپنڈی: امریکن بک کمپنی، ۱۹۸۸)، ص ۲۱

۲ ایضاً، ص ۲۹

۳ ایضاً، ص ۲

۵ ایضاً، ص ٤٦

٦ الطاف حسین حالی، مولانا، مقدمہ شعر و شاعری، مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی، (اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۵)، ص ۹۱

۷ سخا دہلوی، مولانا، کلیات مولانا سخا دہلوی، ص ۹۲

۸ ایضاً، ص ۹۲

۹ ایضاً، ص ۹۳

۱۰ ایضاً، ص ۲۰

۱۱ ایضاً، ص ۹۳